

زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اور شعبوں میں بھی جو یونیورسٹیز کے فارغ التحصیل ہیں، بڑی بڑی ڈگریاں لیے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹی سی چپڑاسی کی جگہ آتی ہے تو ایم فل والے وہاں ایلٹائی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ڈگری روزگار کی کوئی حتمی ضمانت نہیں ہے۔ ڈگری کی بہ نسبت روزگار کے حوالے سے زیادہ اہم چیز ہنر اور skills ہوتے ہیں، وہ ہمیں حاصل کرنے چاہئیں اور اپنے فضلاء کو سکھانے چاہئیں۔ ہمارے ہاں ایک رجحان پچھلے پچیس تیس سال سے پروان چڑھا ہے کہ دورہ پر اپنی تعلیم کا اختتام نہیں کرنا بلکہ اس کے بعد بھی ایک آدھ سال لگانا ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جس سے بھی پوچھیں، دورے کے بعد کیا کرنا ہے تو جواب ملتا ہے، جی مفتی کا کورس کرنا ہے، تخصص کرنا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کچھ متبادل نہیں ہے، حالانکہ یہ تخصص فی الفقہ ہو یا تخصص فی الحدیث ہو یا کسی اور چیز میں تخصص ہو، یہ اس کے لیے ہوتا ہے جس نے دینی علوم میں تحقیق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا ہے اور اس سطح کی استعداد کے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی بات میں پہلے کر چکا ہوں کہ ان کو ہم نے مدرسوں میں مسجدوں میں رکھنا ہے اور خوشحال بنا کر رکھنا ہے۔ لیکن میں ان کی بات کر رہا ہوں جن کو ہم نے دوسری طرف بھیجا ہے۔

کچھ مہارتیں ایسی ہیں جو ہمارے مدارس کے فضلاء بہت آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں اور ان سے جلد ان کو مناسبت ہوتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جو ان کے شعبے سے بہت زیادہ گہری وابستگی رکھتی ہیں۔ ان میں مثال کے طور پر ایک شعبہ پبلشنگ کا ہے کہ آپ کتابیں چھاپیں۔ اگرچہ دینی کتابوں کی پبلشنگ کے مسائل ہیں، مشکلات ہیں، اتنا زیادہ نفع آور نہیں رہا جتنا پہلے ہوتا تھا، مجموعی طور پر اپنی اور ان کی ناعاقبت اندیشیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ صورت حال بن چکی ہے، لیکن بہر حال یہ بھی ایک شعبہ ہے جو ان کی فیلڈ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اگر اچھی چیزیں آپ کو مل جائیں، آپ چھاپیں اور بیچیں تو ایک یہ راستہ آپ کے لیے بن سکتا ہے۔

دوسرا شعبہ جس میں ہمارے فضلاء بہت آسانی سے چل جاتے ہیں، میڈیا کا شعبہ ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا ہو، کیونکہ ابلاغ کی عادت اور رجحان درس و تدریس کے دوران ان کا بن چکا ہوتا ہے، کچھ الفاظ جوڑنے کا کام آ رہا جاتا ہے۔ اس میں تھوڑی سی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بعد وہ یہ کام آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔ تیسرا کام کمپیوٹر کا ہے۔ میں صرف کمپیوٹرنگ کی بات نہیں کر رہا، بلکہ اس سے آگے کی بات کر رہا ہوں۔ تجربہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے طلبہ جلدی یہ چیز سیکھ جاتے ہیں اور بعض اچھی جگہوں پر بھی پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے جامعہ امدادیہ کے ایک فاضل ہیں، ایک اچھے ملک میں وہ کمپیوٹر نیٹ ورکنگ کے شعبے میں ایک اچھی کمپنی میں کام کر رہے ہیں، حالانکہ دورہ حدیث تک ان کی عصری تعلیم شاید ملڈل تک بھی نہیں تھی۔ تو یہ بھی ایک صاف ستھرا شعبہ ہے کام کا۔ آرام سے بیٹھ کر کرنے کا کام ہے اور علم سے مناسبت بھی رکھتا ہے۔

چوتھا ایک اہم شعبہ زبان کا شعبہ ہے۔ چونکہ دنیا ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہے، روابط بڑھ رہے ہیں، تو اس میں ترجمانی اور زبانوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ زبان سیکھنا سکھانا مستقل فن بن گیا ہے اور اسی کا امتیازی فن ترجمانی بن گیا ہے۔ ترجمہ کی مہارت پیدا کرنے کے لیے کچھ تو ڈگری لیول کے کورسز ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں وقت زیادہ لگتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ مختلف جگہوں پر اس میں ڈپلومہ لیول کے مختلف کورسز بھی سال یا چھ مہینے کے کہیں نہ کہیں ہوتے ہوں گے، ورنہ زبان سکھانے کے کورسز تو ہوتے ہی ہیں۔ یونیورسٹی تقریباً ہر زبان کے کورسز کو روانی

ہے۔ ہمارے فضلاء عربی زبان خاص طور پر بہت آسانی سے سیکھ لیتے ہیں، فارسی زبان بھی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور زبانیں بھی چونکہ پہلے سے پڑھنے لکھنے کے عادی ہوتے ہیں، اس لیے زبان سیکھنا نسبتاً ان کے لیے آسان ہوتا ہے اور زبان ان کے لیے بہت سارے مواقع پیدا کر سکتی ہے۔

پانچواں ایک شعبہ جس میں کافی گنجائش ہمارے فضلاء کے لیے موجود ہے اور ان کے فیلڈ سے مناسبت بھی رکھتی ہے، وہ ہے پرائیویٹ سکولوں کا شعبہ، خاص طور پر دیہات اور قصبات میں۔ اگر ان کے لیے کچھ مختصر کورسز چھ مہینے، نو مہینے کے ایسے ڈیزائن ہو جائیں جن میں ان کو اسکول میں جنٹ سکھا دی جائے، بحیثیت مجموعی مینجمنٹ کے کچھ اصول ان کو بتا دیے جائیں، کچھ موٹی موٹی اور چیزیں ان کو سکھا دی جائیں اور ایک دو چیزیں ان کو پڑھانے کی ٹریننگ دے دی جائے تاکہ خود ریاضی، انگریزی اور سائنس وغیرہ کی تدریس کر سکیں۔ یہ لوگ اپنے گاؤں میں، قصبے میں جا کر، چھوٹے شہر میں جا کر چھوٹا سا اسکول بنائیں، لوگوں سے فیسیں لیں، لوگوں سے روزگار مانگنے کی بجائے دو چار ہندوں کو آپ روزگار دینے والے بن جائیں۔ اس شعبے میں ابھی اچھی خاصی گنجائش موجود ہے، چونکہ تعلیم کے شعبے سے حکومت نے تو ہاتھ پیچھے کر لیا ہے۔ کسی زمانے میں یہ اسکول بنانا حکومتوں کا کام ہوتا تھا، لیکن اب وہی پرانے زمانے کے آثار قدیمہ میں سے جو سرکاری اسکول ہیں، وہی ہیں۔ ان کے علاوہ نئے سرکاری اسکول نہیں بن رہے، جبکہ تعلیم لوگوں کی ضرورت ہے۔ تو پرائیویٹ اسکولوں کے شعبے سے معلق میرا اندازہ یہ ہے کہ ابھی گنجائش موجود ہے اور اس میں نفع آوری بھی ہے۔ یہ کام ہمارے فضلاء بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں، تھوڑا سا سیکھ کر کر سکتے ہیں۔ اسکول چلانے کا تجربہ حاصل کرنے کے لیے، جو اسکول پہلے سے چل رہے ہیں، آپ ایک آدھ مہینہ اس کے ساتھ لگائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ کام کیسے کرتے ہیں۔ یوں آپ اپنا اسکول چلانے کے قابل ہو جائیں گے۔ ایک آدھ مضمون خود پڑھائیں، ایک آدھ ٹیچر اور رکھیں۔ اللہ اللہ خیر صلا، آپ کا کام چل جائے گا۔ بچوں کے اسکول، مدرسے تو چل ہی رہے ہیں، لوگوں کے لیے یہ بھی مسئلہ ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ بچیوں کو تعلیم نہیں دلایا کرتے تھے، لیکن اب ہر کوئی چاہتا ہے کہ میری بچی تعلیم یافتہ ہو۔ تو یہ بھی آپ کر سکتے ہیں۔ اس میں نئی نسل کی تربیت کا پہلو بھی ہے، اس میں دعوت کا پہلو بھی ہے اور روزگار کا پہلو بھی ہے۔

اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اور کئی کام ہو سکتے ہیں۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے پہلا قدم اٹھایا ہے تو اس حوالے سے میں ایک مشورہ دوں گا کہ اس طرح کی مجالس میں برنس سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بھی دعوت دی جائے اور ان کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جائے۔ وہ ہمیں کچھ بتائیں کہ فضلاء کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے۔

اور آخر میں ایک اور بات مولویوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ بڑی ماریں کھالی ہیں، یہ دور نفع کے لیے کسی کو پیسے دینے کا نہیں ہے۔ اس میں بعض دینی ادارے ایسے میرے علم میں ہیں جو تین مرتبہ تو میرے علم کے مطابق ڈنگ کھا چکے ہیں، حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ مومن صرف ایک مرتبہ ڈنگ کھاتا ہے، ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں کھاتا۔ تو ہمیں اتنا سیدھا سادا نہیں ہونا چاہیے کہ ہر دفعہ ڈنگ کھانے کے لیے تیار ہوں۔ میں انھی گزارشات پر اکتفا کرتا ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔